Open Access
Al-Marjān Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

The Quranic Conversations of the Prophets (Peace Be Upon Them): Social Applications

انبیاء کرام علیہم السلام کے قرآنی مکالمات: سماجی اطلاقات

Authors Details
1. Dr Saeed Ahmad Saeedi (Corresponding Author)
Associate Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore, Pakistan. saeed.is@pu.edu.pk

Citation
Saeedi, Dr Saeed Ahmad" The Quranic Conversations of the Prophets (Peace Be Upon Them): Social Applications."Al-Marjān Research Journal, 3, no.1, Jan-Mar (2025): 66– 86.

Submission Timeline
Received: Dec 05, 2024
Revised: Dec 19, 2024
Accepted: Dec 29, 2024
Published Online: Jan 07, 2025

Publication, Copyright & Licensing
Article QR
Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan.
All Rights Reserved © 2023.
This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

INDEX COPERNICUS INTERNATIONAL | ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE | HJRS HEC Journal Recognition System

The Quranic Conversations of the Prophets (Peace Be Upon Them): Social Applications

انبیاء کرام علیہم السلام کے قرآنی مکالمات: سماجی اطلاقات

ڈاکٹر سعید احمد سعیدی☆

Abstract

Every human being has his own individual intellectual existence which He has his own unique style of reasoning, questioning and inferring results. Dialogue is the only way to make any conscious human being your equal. Dialogue is the means by which the addressee consciously accepts or rejects the case presented by you and it is the logical conclusion obtained from this (dialogue) that unites a group of people on a single thought. It involves the search for truth and the quest to reach it. If we consider the Islamic history of da'wah and tabligh, the fact becomes clear that none of the other means of da'wah can match the benefits of dialogue. Prophets (peace be upon them) were the chosen and chosen servants of Allah Almighty who were sent to different nations in different regions in their respective eras to guide humanity. The Prophets, peace be upon them, kept coming for a special purpose, the Supreme Word of God, that is why they faced all kinds of people and situations, including the obedience of the believers, the stubbornness of the nations, and the enmity of oppressive kings. Attitudes are also included. All kinds of difficult situations. Attitudes are also included. In spite of all kinds of difficult situations and hardships, the Prophets (peace be upon them) gave good social consciousness along with the good manners of invitation and dialogue. In this sense, the most effective style of conversation is that of the Prophets. This is the best training. These are the holy persons who have been directly trained by Allah Almighty himself. In order to associate the truth-seeking, groaning humanity with the feet of the Prophets, it is necessary that their exemplary style and Dialogue style should be adopted.

Keywords: Dialogue,intellectual existence,Prophets, da'wah, social consciousness.

تعارف موضوع

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جسے نبی آخر الزماں ﷺ پر بذریعہ وحی نازل کیا گیا۔ یہ تمام بنی نوع انسان کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے تاہم اس کی ہدایت سے کماحقہ استفادہ اہل تقویٰ کا نصیبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اتنا جامع ومانع بنایا ہے کہ اس میں ایمانیات وعبادات سے لے کر سماجیات واقتصادیات تک کے تمام ممکنہ اصول مذکور ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور منتخب بندے تھے جنہیں انسانیت کی ہدایت کے لیے اپنے اپنے دور میں مختلف علاقوں میں مختلف اقوام کی طرف مبعوث کیا گیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام ایک خاص مقصد ،اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے تشریف لاتے رہے اسی لیے ان کا سامنا ہر قسم کے لوگوں اور حالات سے رہا جن میں، اہل ایمان کی فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ قوموں کی ہٹ دھرمی اور جابر بادشاہوں کے معاندانہ رویے بھی شامل ہیں۔ ہر طرح کے مشکل حالات اور سختیوں کے باوجود انبیاء کرام

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف دی پنجاب، لاہور، پاکستان۔

علیہم السلام نے دعوت کے احسن اسلوب؛ مکالمہ کے ذریعے ذوق بندگی کے ساتھ ساتھ صحیح سماجی شعور دیا۔ مکالمہ کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ ہر انسان اپنا انفرادی وفکری وجود رکھتا ہے جو اپنا منفرد اسلوب استدلال، سوالات کرنے کا طریقہ اور استنباط نتائج کا ملکہ رکھتا ہے۔ کسی بھی صاحب شعور انسان کو اپنا ہم نوا بنانے کے لیے واحد راستہ مکالمہ ہے۔ مکالمہ ہی وہ ذریعہ ہے جس سے مخاطب شعوری طور پر آپ کا پیش کردہ مقدمہ کو قبول یا رد کرتا ہے اور یہ اسی (مکالمہ) سے حاصل شدہ منطقی نتیجہ ہوتا ہے جو کسی انسانی جماعت کو ایک فکر پر مجتمع کر دیتا ہے۔ اس کے ذریعے سے حق کی تلاش اور اس تک پہنچنے کی جستجو شامل ہوتی ہے۔ دعوت و تبلیغ کی اسلامی تاریخ پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ دعوت کے دیگر ذرائع میں سے کوئی ذریعہ مکالمے کے فوائد کے ہم پلہ نہیں ہے۔ اگر ہم آج مسلمانوں کی تعداد پر نظر ڈالیں تو ہمیں پتا چلے گا کہ مسلمانوں کی عام اکثریت تشدد، قتل اور اسلحہ اٹھائے بغیر مکالمے اور خوش اسلوبی کے ساتھ نصیحت کے اسلوب کو اپناتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئی ہے۔ شاید اس کی سب سے نمایاں مثال مشرقی ایشیا، برصغیر ہند اور وسطی ایشیا کے مسلمان ہیں۔ اسلام دلیل اور محبت کا دین ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ امن وامان برقرار رکھنے اور سماجی مسائل کے حل کے لیے دلیل کے ساتھ مکالمہ کرنے پر ابھارتا ہے۔

ہمیں اسلام کو اس پر عائد غیر منصفانہ الزامات کے دلیل پر مبنی جواب دینے کی ضرورت ہے، جن میں اسے مار دھاڑ کرنے، خوف دلانے، فساد مچانے اور انسانوں کی بے اکرامی کرنے کا دین ثابت کیا جاتا ہے۔ علما کا اتفاق ہے کہ اسلام بندوں کی دنیا و آخرت کی مصلحتوں کو پورا کرنے کے لیے آیا ہے۔ یہ کام مکالمے کے ذریعے مؤثر انداز میں سر انجام دیا جا سکتا ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ باہم گفتگو کرتے ہوئے ایک دوسرے کی رائے کا احترام کیا جائے۔ مکالمہ انتہا پسندی اور غلو کے علاج کا ذریعہ ہے۔ لڑائی جھگڑے کے بجائے دلیل اور حقائق پر مبنی گفتگو کی جائے۔ اس لحاظ سے سب سے مؤثر اسلوب گفتگو انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے۔ اسی سے بہترین تربیت حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کی تربیت براہ راست اللہ تعالیٰ نے خود کی ہے۔ حق کی متلاشی، سسکتی ہوئی انسانیت کو انبیاء کرام علیہم السلام کے مثالی انداز و اسلوب مکالمہ سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مقاصد تحقیق

1۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے قرآنی مکالمات کی روشنی میں مکالمے کی اہمیت اور اس کے سماجی اثرات کو واضح کرنا۔

2۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے قرآنی مکالمات کی جہات (اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اہل ایمان کے ساتھ اور مشرکین کے ساتھ مکالمات) کے ضمن میں دعوتی، سماجی اور اخلاقی جہات کو بیان کرنا۔

3۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے قرآنی مکالمات کے سماجی اطلاقات کی عصری اہمیت کو واضح کرنا۔

مکالمہ کی اہمیت اور اس کے سماجی اثرات

مکالمہ ایک خاص اصطلاح ہے جو عربی زبان کے تین حرفی لفظ "كَلِمَ" سے مشتق ہے جس کا مطلب لفظ، بات، جملہ، قصیدہ یا خطبہ ہو سکتا ہے اور کلام کے معنی بات کے ہیں۔[1] مشہور لغوی ابن الفارس نے مکالمہ کے لغوی معانی "بات کرنا" اور "زخمی کرنا" بیان کیے ہیں۔[2]

1 Al-Zubaydī, Muhammad ibn Muhammad ibn ʿAbd al-Razzāq, *Tāj al-ʿArūs min Jawāhir al-Qāmūs* (Shām: Bayt al-ʿUlūm al-ʿArabīyah, 2000), 33:369.

2 Abū al-Ḥusayn Aḥmad ibn Fāris ibn Zakariyyā, *Muʿjam Maqāyīs al-Lughah* (Damascus: Dār al-Fikr, 1399 AH), 5:131.

اس کا سب سے اہم مترادف جو قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے وہ "حوار" ہے۔ حوار کا ماخذ "حور" ہے جو کہ حَارَ، یَحُورُ، کا مصدر ہے جس کا معنی باہم گفت و شنید کرنا ہے۔ عربی زبان میں حوار سے مراد:

" حديث بين طرفين او اكثر حول قضية معينة بهدف الوصول الى الحقيقة بعيدا عن الخصومة والتعصب وبطريقة علمية اقناعية ولا يشترط فيها الحصول على نتائج فورية"[3]

ہے۔

"دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان کسی معین موضوع پر حقیقت تک پہنچنے کے لیے بغیر کسی تنازع اور تعصب کے علم کی بنیاد پر بات چیت کرنا جب کہ اس میں فوری نتائج کے حصول کی شرط نہ لگائی گئی ہو"۔

ڈاکٹر احمد بن یوسف الدریویش کے نزدیک مکالمے کا اصطلاحی معنی دو یا دو سے زیادہ گروہوں کے درمیان معاملے کی درستی، دلیل کے اظہار، حق کے ثبوت، شبہے کے رد یا غلط قول یا رائے کو دور کرنے کے لیے گفت و شنید کرنا ہے۔ مکالمہ غلو کرنے والوں اور انتہا پسندوں کے درمیان فائدے اور نفع پر مبنی دینی اسلوب شمار کیا جاتا ہے۔[4] مکالمے کی عملی تعریف سے مراد کسی مسئلے یا صورت حال میں اتفاق رائے کے حصول کے لیے باہمی افہام و تفہیم کی کوشش ہے۔ مکالمے کا مقصد یہ ہے کہ ہم معتبر اسلامی مذاہب کے درمیان اتفاقی نکات کے فروغ کے لیے کام کریں۔ یوں مکالمہ غلو اور انتہاپسندی کے علاج اور اس پر مرتب ہونے والی مجرمانہ اور دہشت گردی پر مبنی کارروائیوں اور سرگرمیوں کے خلاف جنگ کے لیے ایک ایسا ذریعہ ہے، جس کا مقصد تہذیبوں، قوموں اور مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان تنازعات کو ہوا دینے والے انتہاپسندوں کے مقاصد کے حصول کے تمام راستوں کو بند کرنا ہے۔[5]

مکالمات کا مقصد سماج میں موجود مختلف طبقات، مذاہب اور ثقافتوں کے درمیان عملی راہ ہموار کرنا ہے اور افہام و تفہیم کا راستہ کشادہ کرنا ہے تا کہ وہ معاشرے کے لیے مدد و معاون ثابت ہو سکیں۔ مکالمہ میں جہاں اپنی بات کو استدلال و دلائل سے پیش کرنا اہم ہے، وہاں انتاہی اہم مخاطب کے پیش کردہ استدلال کو دیانت داری سے سننا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے یہ فضیلت عقل و شعور اور فہم و فراست کی بناء پر نصیب ہوئی۔ یہاں حیوانات اور درندوں کو بآسانی ہانکا جا سکتا ہے، انہیں مرتب کیا جا سکتا ہے مگر انسان کا شعوری وجود اسے دیگر حیوانات سے منفرد بناتا ہے۔

مکالمات کے سبب ماضی و حال کی پوری تاریخ میں باہمی تہذیبی اور پر امن ثقافتی تعامل میں اسلام کا پلڑا بھاری رہا ہے۔ ماضی و حال کے علماء یہ بیان کرتے رہے ہیں کہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان طے پانے والی صلح حدیبیہ سے حاصل ہونے والے فوائد اس مکالمے کا نتیجہ تھے جو رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو کے درمیان رونما ہوا، جس کا نفع اس سے پہلے دو دہائیوں سے جاری جہاد و قتال سے حاصل شدہ ثمرات و مفادات سے زیادہ تھا، حالانکہ اس کی دفعات قبول کرنا اکثر صحابہ پر بظاہر گراں تھا۔ یہ صلح ایسی دفعات پر مشتمل تھی، جو اُن کے حق میں نقصان دہ تھی۔[6]

---

3 ʿAbd al-Raḥmān al-Naḥlāwī, *Uṣūl al-Tarbīyah al-Islāmīyah wa Asālībhā* (Damascus: Dār al-Fikr, 2007), 206.

4 Al-Darwīsh, Dr. Aḥmad ibn Yūsuf, *Mazhabī Intihā Pasandī* (Islamabad: Sharīʿah Academy), 69.

5 Al-Darwīsh, Dr. Aḥmad ibn Yūsuf, *Mazhabī Intihā Pasandī*, 70.

6 Al-Darwīsh, Dr. Aḥmad ibn Yūsuf, *Mazhabī Intihā Pasandī, 75.*

انسان کا لہجہ اور الفاظ کا استعمال اپنا اثر رکھتا ہے، اسی لیے اچھے الفاظ اور حسن اخلاق دشمن کو بھی اپنا بنادیتے ہیں جبکہ نامناسب الفاظ اور کرخت لہجہ دوست کو بھی دشمن بنادیتے ہیں۔ جنگ کے ذریعے آپ انسان قتل تو کر سکتے ہیں مگر ان کی سوچ اور فکر کو نہیں مار سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ پیش کردہ فکر کے سامنے ایک برتر فکر کو آگے بڑھ کر دلائل کی روشنی میں پیش کریں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بہترین مکالمہ کی تلقین ارشاد فرمائی تاکہ آپ ﷺ کی بات لوگوں تک مؤثر انداز میں پہنچ سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ[7]

"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اس طریقے سے بحث کرو جو سب سے اچھا" ہو۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو بار بار اسی بات کی تاکید کی گئی کہ وہ لوگوں سے حسن اخلاق کے ساتھ گفتگو کریں۔ یہی وجہ ہے کہ تبلیغ کے عظیم مشن کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اقوام کے سخت لہجوں اور ذاتی حملوں کے جواب میں ہمیشہ نرمی کو اختیار فرمایا۔ ان کی دشمنی کے مقابلے میں دوستی کو فروغ دیا، لڑائی جھگڑے کے مقابلے میں صلح کا پیغام دیا۔

اسی کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ[8]

"اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتیں، آپ برائی کو بھلائی سے ٹال دیں تب تو آپ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست"۔

اس آیت مبارکہ میں دشمن کے سخت الفاظ، کرخت لہجہ اور دشمنی کے جذبات سے بھرپور انسان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حسن سلوک اپنانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے دشمنوں نے بالآخر حضور ﷺ کی اتباع کو قبول کر لیا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

لَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ[9]

"اہل کتاب سے بحث نہ کرو، مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو، البتہ اُن میں سے جو ظلم کریں (اُن کی بات اور ہے)، (اور ان سے یہ) کہہ دو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان لائے ہیں، جو ہم پر نازل کی گئی اور اس پر بھی جو تم پر نازل کی گئی تھی۔ ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم سب اسی کے تابع فرمان ہیں"۔

---

7 Al-Naḥl 16:125.

8 Hā-Mīm al-Sajdah 41:34.

9 Al-ʿAnkabūt 29:46.

اس آیت مبارکہ میں مکالمہ کے بہترین اسلوب کو بیان کیا گیا ہے یعنی دلیل کے ساتھ بات کرنا۔ اس میں حکم دیا گیا ہے کہ لڑائی جھگڑے کے بجائے دلیل سے بات کی جائے چنانچہ معلوم ہوا کہ لوگوں تک دین پہنچانے کے بہترین ذرائع حکمت، موعظہ حسنہ اور عمدہ مکالمہ ہیں۔

اسی طرح غیر مسلموں کے ساتھ مکالمے کے جواز پر قولی اور فعلی احادیث میں بہت سے دلائل موجود ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اہل کتاب وغیرہ سے بذریعہ مکتوب مکالمے کا اسلوب اختیار فرمایا، مثلاً آپ ﷺ ہرقل کی طرف بھیجے گئے مکتوب میں یوں مخاطب ہوتے ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله إلى هرقل عظيم الروم، سلام على من اتبع الهدى أما بعد، فاني أدعوك بدعاية الإسلام أسلم تسلم وأسلم يؤتك الله أجرك مرتين فإن توليت فان عليك إثم الأريسيين و يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم أن لا نعبد إلا الله إلى قوله اشهدوا بأنا مسلمون[10]

"اللہ کے نام کے ساتھ جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر محمد ﷺ کی طرف سے یہ خط شاہ روم کے لیے۔ اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد میں آپ کے سامنے دعوت پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ اسلام لے آئیں گے تو اللہ آپ کو دوہرا اجر دے گا اور اگر آپ میری دعوت سے منہ پھیریں گے تو آپ کی رعایا کا گناہ بھی آپ پر ہی ہوگا۔ اے اہل کتاب، اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں"۔

مکالمہ کا سب سے مثالی اور بہترین اسلوب انبیاء کرام علیہم السلام کا اختیار کردہ ہے۔ اس میں غور فکر کرنے سے گفتگو کرنے کا انداز، باہمی ادب و احترام، استقامت، صبر و تحمل، اخلاص وللّٰہیت، خیر خواہی، حکمت و دانائی، یکسوئی، تدریج و تسلسل اور دلائل جیسے راہنما اصول ہمارے سامنے آتے ہیں۔ عام لوگوں اور انبیاء کرام کے مکالمات کے مابین زمین وآسماں کا فرق ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس کائنات کے عظیم اور مقدس ترین لوگ ہیں جن کی تربیت اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی۔ ان کی تبلیغ اور مکالمہ کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور خلق خدا کو راہ راست پر گامزن کرنا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے قرآنی مکالمات کی جہات

قرآن حکیم میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر ہے جس میں ان کے شخصی خصائص کے ساتھ اپنی قوموں کے ساتھ مکالمے بھی مذکور ہیں۔ ان مکالمات کی متنوع جہات ہیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

1۔ ذات الٰہی کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کے مکالمات

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں اس سے اللہ تعالیٰ کی آدم سے محبت واضح تھی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے ساتھ انہیں اپنی نعمتوں میں قیام نصیب فرمایا اور انہیں جنت میں جگہ عطاء فرمائی۔ لیکن اپنی محبت کو آزمانے کے لیے آدم کو آزمائش و ابتلاء کے راستے سے گزارا۔ ارشاد فرمایا:

وَ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ[11]

10 Al-Qushayrī, Muslim ibn Ḥajjāj, Abū al-Ḥusaīn, *Ṣaḥīḥ Muslim* (Nishāpur: Dār al-Khilāfah al-ʿIlmīyah, 1330 AH), 1:4607.

11 Al-Aʿrāf 7:19.

"اور اے آدم! تم اور تمہاری زوجہ (دونوں) جنت میں سکونت اختیار کرو سو جہاں سے تم دونوں چاہو کھایا کرو اور (بس) اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ تم دونوں حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے"۔

مذکورہ اور دیگر کئی قرآنی آیات سے یہ نکتہ عیاں ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنا قرب اور بلند مقام عطاء فرماتا ہے تو انہیں مشکلات اور آزمائشوں سے گزاراتا ہے۔ اس لیے کامیابی کا راستہ وہی لوگ سمیٹتے ہیں جو ان مشکلات میں صبر کرتے ہیں اور بھول ہو جانے کے بعد اللہ رب العزت سے فوری معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔

حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام نے جب ممنوعہ درخت کا پھل کھایا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا- وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ [12]

"اور انہیں ان کے رب نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ اور میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ دونوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ضرور ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے"۔

اللہ رب العزت نے دونوں سے اپنی محبت کی بناء پر یہ بات ارشاد فرمائی کیونکہ حضرت آدم و حوا کا اس پھل کو کھانا بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی دائمی محبت اور قرب کو پانے کے لیے ہی تھا کیونکہ شیطان نے ان کے سامنے ان کے محبوب (اللہ رب العزت) کی قسم اٹھائی اور انہیں یہ احساس دلایا کہ وہ یہ پھل کھا لیتے ہیں تو اللہ کا دائمی قرب پائیں گے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی صفت یہ ہے کہ بھول یا خطاء، اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے، خود کو جھکا دے اور عجز و انکساری کا پیکر بن جائے جبکہ شیطانی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی غلطی کو تسلیم ہی نہ کرے اور تکبر اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مزید سرکش ہو جائے۔ اس لیے اولاد آدم کو چاہیے کہ وہ گناہ ہو جانے کے بعد اپنے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے توبہ و استغفار کا راستہ اختیار کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَمَّا خَلَقَ اللهُ آدَمَ وَ نَفَخَ فِيْهِ الرُّوْحَ عَطَسَ. فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ. فَحَمِدَ اللهَ بِإِذْنِهِ. فَقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ: يَرْحَمُكَ اللهُ، يَا آدَمُ. اِذْهَبْ إِلٰى أُوْلٰئِكَ الْمَلَائِكَةِ إِلٰى مَلَإٍ مِنْهُمْ جُلُوْسٍ، فَقُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ. قَالُوْا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ. ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى رَبِّهٖ. فَقَالَ: إِنَّ هٰذِهٖ تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ بَنِيْكَ بَيْنَهُمْ[13]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان میں روح پھونکی تو انہیں چھینک آئی، انہوں نے "الحمد للہ" کہا اور اس کے حکم سے اس کی تعریف کی۔ ان کے رب نے انہیں فرمایا: "يَرْحَمُكَ اللهُ"

12 Al-Aʿrāf 7:22-23.

13 Al-Tirmidhī, Muḥammad ibn ʿĪsā, *Al-Sunan al-Tirmidhī*, Kitāb Tafsīr al-Qurʾān (Beirut: Dār al-Gharb al-Islāmī), 5:453, 3368.

اے آدم! تم ان فرشتوں کی طرف جاؤ۔ وہاں فرشتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے۔ انہیں کہو: 'السلام علیکم'۔ فرشتوں نے کہا: 'وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'۔ پھر وہ اپنے رب کے پاس آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کا سلام ہے۔

مذکورہ روایت میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اللہ رب العزت کا مکالمہ بیان کیا گیا ہے جس سے ہمیں یہ اخلاقی سبق ملتا ہے کہ چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے جس پر اللہ کی حمد کے ساتھ اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ایک مسلمان کا دوسرے کے اوپر یہ حق بھی ہے کہ وہ **"الحمد لله "** کے جواب میں اسے **"یرحمک الله"** کہے۔ اسی طرح اس مکالمہ کے ذریعے سے اولاد آدم کو سلام کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے پر نہ صرف سلامتی بھیجیں بلکہ سماجی سطح پر امن و سلامتی کے فروغ میں اپنا کردار ادا کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون اور اس کی قوم کی طرف دعوت توحید دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم ارشاد فرمایا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے مدعا کا کماحقہ اظہار نہ کرپانے اور اپنے قتل ہو جانے کے خوف کے حوالے سے عرضداشت پیش کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ رَبِّ اِنِّیٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ۔وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ۔ قَالَ کَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَآ اِنَّا مَعَکُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ[14]

"عرض کی اے میرے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھے جھٹلا دیں۔ اور میرا سینہ تنگ ہو جائے اور میری زبان نہ چلے پس ہارون کو رسول بنا دے اور میرے ذمہ ان کا ایک گناہ بھی ہے سو میں ڈرتا ہوں کہ مجھے مار نہ ڈالیں۔ فرمایا ہر گز نہیں تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ، ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔ سو فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم رب العالمین کا پیغام لے کر آئے ہیں"۔

مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مکالمہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا حامی و مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان اپنے جملہ معاملات میں جب اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو وہ اسے تنہا نہیں چھوڑتا لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ محنت کو ترک کرکے معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے بلکہ محنت شرط ہے اور اس کا اجر اللہ رب العزت ضرور عطاء فرماتا ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فرعون صفت حکمرانوں سے خوف نہیں کھانا چاہیے اور بالخصوص جب آپ نیک مقصد کے لیے کام کر رہے ہوں تو ہر گز مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہٹ دھرمی کے باعث اللہ تعالیٰ سے عرض کی:

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ کَذَّبُوْنِ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ [15]

"عرض کی اے میرے رب؛ میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے۔ پس تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ ہی کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ایمان والے ہیں انہیں نجات دے"۔

14 Al-Shuʿarāʾ 26:12-17.

15 Al-Shuʿarāʾ 26:117-118.

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی اصلاح کے لیے بے حد کوششیں کیں لیکن اس کے جواب میں سوائے چند افراد کے سب نے آپ کی دعوت کا انکار کر دیا۔ نہ صرف انکار کیا بلکہ آپ کی ذات پر حملے شروع کر دیے اور آپ کا مذاق اڑانے لگے۔ آپ نے لوگوں سے الجھنے کے بجائے اپنا دکھ اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کیا۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دین کی تبلیغ کے لیے آنے والی مشکلات پر صبر کرنا چاہیے اور لوگوں سے کسی قسم کا مخاصمہ و مجادلہ کرنے سے بچنا چاہیے۔

اسی طرح سورۃ ص میں حضرت ایوب علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے مکالمہ بیان ہوا ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ[16]

"اور ہمارے بندے ایّوب (علیہ السلام) کا ذکر کیجیے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے بڑی اذیّت اور تکلیف پہنچائی ہے۔ تم اپنا پاؤں زمین پر مارو، یہ (پانی کا) ٹھنڈا چشمہ ہے نہانے کے لیے اور پینے کے لیے۔ اور ہم نے اُن کو اُن کے اہل و عیال اور اُن کے ساتھ اُن کے برابر (مزید اہل و عیال) عطا کر دیے، اپنی طرف سے خصوصی رحمت کے طور پر، اور دانشمندوں کے لیے نصیحت کے طور پر"۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو بیماری اور مالی مشکلات کے ذریعے سخت ترین آزمائش کے ذریعے آزمایا گیا لیکن ان حالات میں حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے پیش نظر ایسا صبر کا مظاہرہ کیا کہ ضرب المثل بن گیا (صبر ایوب) اور اس مکالمہ میں سماجی تعلیمات کا یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ بیماری اور مشکلات کو انسان اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرے بلکہ رحمت، نعمت اور مہربانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے۔ انسان کا یہ بھی عقیدہ ہونا چاہیے کہ جیسے بھی مشکل حالات ہوں ایمان کمزور نہ پڑے بلکہ صبر کے ذریعے سے ایمان کو مزید پختہ کیا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہونے کے ساتھ خلیل بھی ہیں اور نبی کریم ﷺ بھی انہی کی مبارک ذریت میں سے ہیں۔ ان کے ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ کو قرآن مجید نے اس طرح سے بیان فرمایا ہے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ[17]

"اور یاد کرو جب ابراہیم نے عرض کی: اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس میں رہنے والے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں انہیں مختلف پھلوں کا رزق عطا فرما۔ (اللہ نے) فرمایا: اور جو کافر ہو تو میں اسے بھی تھوڑی سی مدت کے لیے نفع اٹھانے دوں گا پھر اسے دوزخ کے عذاب کی طرف مجبور کر دوں گا اور وہ پلٹنے کی بہت بری جگہ ہے"۔

اس مکالمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعائیہ کلمات اس سماجی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی ذات کے لیے دعا کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس میں شامل کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ جو دوسروں کی نفع بخشی کا خواہاں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی وہ نفع ضرور عطاء فرماتا ہے۔ آپ کی دعاء کی بدولت ایک ایسی سرزمین جو بے آب و گیاہ تھی، جہاں زندگی کا نام و نشان تک نہیں تھا وہاں ایسی برکات کا نزول ہوا کہ

16 Ṣād 38:41-44.

17 Al-Baqarah 2:126.

زمین نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے اور پوری دنیا کی توجہات کا مرکز بنادیا۔ اس مکالمہ میں ایکاور حقیقت بھی مترشح ہوتی ہے کہ ایمان کے مقابلے میں دنیا کے مال و دولت کی کوئی وقعت نہیں۔ جو ایمان سے محروم رہا وقتی طور پر دنیوی مال و منال سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مناجات کا انداز ایسا کہ جس کے ایک ایک حرف سے نیاز مندی کی چاشنی چھلک رہی ہے۔ اپنی ساری ذریت کے لیے ان کے یہ الفاظ قابل تقلید ہیں۔ ارشاد فرمایا:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ [18]

"اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنادے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا، اور ہمیں ہمارے حج کے طریقے بتادے اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے"۔

اللہ کے گھر کی تعمیر مکمل کرنے، عبادت و ریاضت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حق ادا کرنے کے بعد نیز امتحانات میں سرخرو ہونے کے بعد خود کو ایک نیاز مند عبد کی طرح پیش کیا جارہاہے۔

حضرت یونس علیہ السلام پر جب آزمائش آئی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے:

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَo فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ [19]

"اور ذوالنون (مچھلی کے پیٹ والے نبی علیہ السلام کو بھی یاد فرمائیے) جب وہ (اپنی قوم پر) غضب ناک ہو کر چل دیے پس انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ ہم ان پر (اس سفر میں) کوئی تنگی نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے (دریا، رات اور مچھلی کے پیٹ کی تہہ در تہہ) تاریکیوں میں (پھنس کر) پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے، بے شک میں ہی (اپنی جان پر) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے انہیں غم سے نجات بخشی، اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں"۔

اس مکالمہ سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ انسان کو اپنی ممکنہ سعی اور کوشش کے بعد بھی اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیے کیونکہ زندگی کے امتحانات اور مسائل سے نکالنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جب انسان دنیا کے تمام وسائل بروئے کار لا کر بھی مسائل سے نہیں نکل پاتا اور تھک ہار جاتا ہے تو اللہ کی ذات ہی ہے جو لاچاری میں دستگیری فرماتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ [20]

"پھر آپ ان کی بات سے غمزدہ نہ ہوں، بے شک ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں"۔

---

18 Al-Baqarah 2:128.

19 Al-Anbiyāʾ 21:87-88.

20 Yāsīn 36:76.

اس آیت مبارکہ میں ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے کہ تبلیغ دین کی راہ میں حائل ہونے والی مشکلات میں مذکورہ بالا تسلی آمیز فرمان پیش نظر رکھنا چاہیے۔

2۔انبیاء کرام علیہم السلام کے مکالمات اہل ایمان کے ساتھ

حضرات انبیاء کرام و رسل عظام علیہم السلام کے دنیا میں مبعوث ہونے کا مقصد اپنی اپنی اقوام کی اصلاح کرنا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک تمام انبیاء و رسل علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنی اپنی اقوام تک پہنچایا۔ انہیں اس راستے میں بے شمار مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ ذیل میں چند مثالیں دی جا رہی ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں سے مکالمہ قرآن مجید میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ[21]

"اور اسی بات کی ابراہیم اور یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اے میرے بیٹو بے شک اللہ نے تمہارے لیے یہ دین چن لیا سو تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو"۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے وصال سے قبل اپنے بیٹوں سے یوں مکالمہ فرمایا:

اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰــهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ [22]

"تب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا ہم آپ کے اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک معبود ہے، اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں"۔

اس مکالمہ سے والدین کے اپنی اولاد کے لیے خیر خواہی کے جذبات کا اظہار نمایاں ہے۔ تعلیم و تادیب کا ایسا محبت بھرا انداز یہ بتارہا ہے کہ اولاد کو خیر کے راستے پر لانے کے لیے محبت و رافت کے جذبات ہی کام آتے ہیں۔ نیز اس مکالمہ سے معلوم ہوا کہ تا دم واپسیں اولاد کے دین اور ایمان کی حفاظت کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ والدین کو صرف مال کے متعلق ہی وصیت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اولاد کو عقائد صحیحہ، دین پر استقامت، اعمال صالحہ پر مداومت اور گناہوں سے دور رہنے کی وصیت بھی کرنی چاہیے۔ اولاد کو دین سکھانا اور ان کی صحیح تربیت کرتے والدین اولیں فرض منصبی ہے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے مابین مکالمہ کو قرآن مجید نے کچھ یوں ذکر کیا ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّىْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّىْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُــؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ[23]

21 Al-Baqarah 2:132.

22 Al-Baqarah 2:133.

23 Al-Ṣāffāt 37:102.

"پھر جب وہ اس کے ہمراہ چلنے پھرنے لگا کہا اے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں پس دیکھ تیری کیا رائے ہے، کہا اے میرے والد محترم! جو حکم آپ کو ہوا ہے کر گزریے، آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے"۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے اور انہیں مختلف امتحانات سے گزارا گیا۔ انہی میں سے ایک امتحان آپ کو اللہ کی بارگاہ میں اپنے محبوب بیٹے کو قربان کرنے کا حکم تھا۔ اس مکالمہ میں حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا جس میں باپ اور بیٹے دونوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی منشاء کے لیے ایثار و قربانی کا عظیم مظاہرہ کیا گیا ہے۔ باپ نے شفقت سے رائے طلب کی تو بیٹے نے اپنی گردن کو تعمیلِ حکم کے لیے خم کر دیا۔ اس مکالمہ سے ساری نوعِ انسانی کے لیے اللہ رب العزت کے احکامات کی فرمانبرداری کی ترغیب ملتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ[24]

"موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بے شک زمین اللہ کی ہے جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دے، اور انجام بخیر پرہیز گاروں کا ہی ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا تیرے آنے سے پہلے بھی ہمیں تکلیفیں دی گئیں اور تیرے آنے کے بعد بھی، فرمایا تمہارا رب بہت جلد تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور اس کی بجائے تمہیں اس سرزمین کا مالک بنا دے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو؟"

بنی اسرائیل مظلوم قوم تھی جسے فرعون نے اپنے ظلم کا نشانہ بنا رکھا تھا، ان کے بچوں کو قتل کر دیا جاتا اور خواتین کو بطور باندی ذلت و رسوائی کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انہیں فرعون کے ظلم سے نجات دلانے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل نیز فرعون اور اس کی قوم کو توحید کا پیغام دینے کے لیے مبعوث کیا گیا۔ سب سے پہلے آپ نے اس مکالمہ میں اپنی قوم کے اعتقاد کو مضبوط کرنے کے لیے انہیں بتایا کہ اس ساری کائنات اور زمین کا خالق و مالک اللہ رب العزت ہے نہ کہ فرعون۔ اس لیے اللہ سے مدد طلب کرو اور مشکلات پر صبر کرو تو وہ وقت دور نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس ساری زمین کا مالک بنا دے گا۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے پیروکاروں کو غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔ اس مکالمہ سے حکمت اور دانائی کے کئی در وا ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کے دامن میں دوران سفر اپنے اہل خانہ سے گفتگو کی جسے سورۃ النمل میں کچھ اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ[25]

"جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے، میں ابھی وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی انگارا سلگا کر لاتا ہوں تاکہ تم تپش حاصل کرو"۔

---

24 Al-Aʿrāf 7:128-129.

25 Al-Naml 27:7.

اس مکالمہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ کے نبی بالکل عام انسانون کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور سردی و گرمی اور دیگر معاملات میں انہی وسائل و اسباب کو استعمال کرتے ہیں جنہیں باقی مخلوق استعمال کرتی ہے فرق صرف اتناہے کہ انبیاء ورسل نعمتوں کے ملنے پر شکر اور نہ ملنے کی صورت میں توکل اور صبر کرتے ہیں۔

حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں باپ بیٹا ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نبی بھی تھے۔ انہیں اللہ کریم نے جو فضیلت اور شرف عطاء فرمایا تحدیث نعمت کے طور پر اس کا ذکر اپنی قوم کے سامنے کرنے لگے۔:

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ[26]

"اور ہم نے داوٗد اور سلیمان کو علم دیا، اور کہنے لگے اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں بہت سے ایمان دار بندوں پر فضیلت دی۔ اور سلیمان داوٗد کا وارث ہوا، اور کہا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر قسم کے ساز و سامان دیے گئے ہیں، بے شک یہ صریح فضل ہے"۔

اس مکالمہ سے کئی حکمت آموز پہلو سامنے آتے ہیں، سماجی سطح پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ نعمتوں پر شکر کا اظہار حضرت سلیمان علیہ السلام کی سنت ہے دوسرا ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا چاہیے۔ تیسرا یہ کہ اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو فضیلت کے اعتبار سے مختلف مدارج میں تقسیم کیا ہے اس لیے مدارج کی یہ تقسیم معرفت خداوندی مین حجاب نہیں بنی چاہیے۔ چوتھا یہ کہ کسی بھی کمال کو اپنی ذاتی خوبی نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اسے اللہ کے فضل سے تعبیر کرنا چاہیے۔ حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے مکالمہ سے ہمیں یہی سبق حاصل ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں، جنات اور حشرات پر بادشاہت عطاء فرمانے کے ساتھ پرندوں پر بھی حکمرانی عطاء فرمائی۔ ذیل میں ہدہد کے ساتھ آپ کا مکالمہ سورۃ النمل کی روشنی میں بیان کیا جارہا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۔ فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ۔اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ۔ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ ۔ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۔ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۔ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ[27]

"اور پرندوں کی حاضری لی تو کہا کیا بات ہے جو میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا کیا وہ غیر حاضر ہے۔ میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کردوں گا یا وہ میرے پاس کوئی صاف دلیل بیان کرے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہُدہُد حاضر ہوا اور کہا کہ میں حضور کے

26 Al-Naml 27:15-16.

27 Al-Naml 27:20-28.

پاس وہ خبر لایا ہوں جو حضور کو معلوم نہیں اور سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو پایا جو ان پر بادشاہی کرتی ہے اور اسے ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا بڑا تخت ہے۔ میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو انہیں آراستہ کر دکھایا ہے اور انہیں راستہ سے روک دیا ہے سو وہ راہ پر نہیں چلتے۔ اللہ ہی کو کیوں نہ سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے، اور سب جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ کہا ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے۔ میرا یہ خط لے جا اور ان کی طرف ڈال دے پھر ان کے ہاں سے واپس آجا پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں"۔

اس مکالمہ میں آپ کے الفاظ کی سختی نظم وضبط قائم رکھنے اور احساس ذمہ داری پیدا کرنے کے لیے تھی نیز یہاں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پرندے بھی اللہ کے انبیاء کی عظمت کو سمجھتے ہیں اور ان کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں تو انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود ان کی فرمانبرداری سے روگردانی کا ارتکاب بھلا کیسے کر سکتا ہے؟ یقیناً یہ بہت بڑی جسارت ہے۔

اسی طرح آپ نے ایک طاقتور جن سے بھی کلام فرمایا:

قَالَ يَآ اَيُّهَا الْمَلَاُ اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ ۔ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۖ وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اَمِيْنٌ ۔ قَالَ الَّـذِىْ عِنْدَه عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَه قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِىٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىْ غَنِىٌّ كَرِيْمٌ[28]

"کہا اے دربار والو! تم میں کوئی ہے کہ میرے پاس اس کا تخت لے آئے اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں۔ جنوں میں سے ایک دیو نے کہا میں تمہیں وہ لا دیتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں، اور میں اس کے لیے طاقتور امانت دار ہوں۔ اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لا دیتا ہوں، پھر جب اسے اپنے روبرو رکھا دیکھا تو کہنے لگا یہ میرے رب کا ایک فضل ہے، تاکہ میری آزمائش کرے کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو شخص شکر کرتا ہے اپنے ہی نفع کے لیے شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بھی بے نیاز عزت والا ہے"۔

اس آیت میں آصف بن برخیاہ جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا عالم و عابد امتی تھا ان کا آپ علیہ السلام سے مکالمہ بیان کیا جا رہا ہے جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ قوت وطاقت سے ملکہ سبا کا تخت پلک جھپکنے کے دوران حاضر خدمت کرنے کی پیشکش کی ہے۔ اس مکالمہ سے یہ درس ملتا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کے ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرنا اور ذمہ داری کے ساتھ ان کا استعمال کرنا نیز اسے اللہ کا فضل سمجھنا چاہیے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں اور اولیاء اللہ کی عظمت کا اظہار بھی ہو رہا ہے۔

28 Al-Naml 27:38-40.

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کلام فرماتے ہوئے نہایت خوبصورت انداز میں اسے نصیحت فرمائی:

وَاِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ[29]

"اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے"۔

سورہ لقمان میں ارشاد ربانی ہے:۔

یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ۔ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًاؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۔ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ[30]

"بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمان کے اندر ہو یا زمین کے اندر ہو تب بھی اللہ اس کو حاضر کر دے گا، بے شک اللہ بڑا باریک بین باخبر ہے۔ بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت آئے اس پر صبر کیا کر، بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہیں۔ اور لوگوں سے اپنا رخ نہ پھیر اور زمین پر اترا کر نہ چل، بے شک اللہ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز پست کر، بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی ہے"۔

مذکورہ بالا آیات میں حضرت لقمان کا اپنے بیٹے کے ساتھ وعظ و نصیحت پر مبنی مکالمہ بیان کیا جا رہا ہے جس میں انہوں نے اپنے بیٹے کو توحید پر قائم رہنے، شرک سے اپنے آپ کو بچانے، نماز قائم کرنے، نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے اور تکالیف پر صبر کرنے، عاجزی اختیار کرنے اور میانہ روی کی نصیحت کی گئی ہے۔ اس مکالمہ سے یہ درس بھی حاصل ہوتا ہے کہ تبلیغ اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ گھر سے شروع کرنا چاہیے جس کا پورے معاشرے پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

نوٹ: حضرت لقمٰن کے نبی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے جبکہ جمہور سلف کا عقیدہ یہی ہے کہ وہ نبی نہیں تھے بلکہ اللہ کے ولی اور حکیم تھے۔ تاہم یہاں مکالمہ کی اہمیت اور اس کے فوائد کو حاصل کرنے کے لیے ان کا ذکر شامل کیا گیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا اپنی امت سے کلام جس میں آپ ﷺ نے اپنی امت سے قرابت داروں کی محبت کا تقاضہ کیا ہے:

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى[31]

"میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ داری کی محبت کے"۔

---

29 Luqmān 31:13.

30 Luqmān 31:16-19.

31 Al-Shūrā 42:23.

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک کے لیے مسلم ہے نیز آپ کی تعلیمات ہی ہدایت و کامیابی کا سرچشمہ ہیں۔ آپ ﷺ نے دین اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لیے اپنی حیات مبارکہ کے ایک ایک لمحہ کو وقف کر دیا نیز اس عظیم کام میں پیش آنے والے مصائب و آلام کا صبر و استقامت سے مقابلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ کے قرابت داروں نے بھی ہر حوالے سے آپ کی مدد فرمائی اور انہی کی قربانیوں سے دین اسلام نے بقاء پائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی زبان مبارک سے اپنی امت کو حکم دیں کہ قرابت داروں کی محبت تمہارے ایمان کے لیے ضروری ہے۔

3۔ کفار و مشرکین کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کے قرآنی مکالمات

حضرت نوح علیہ السلام کے اپنی قوم سے مکالمات کو قرآن مجید نے اس طرح سے بیان کیا ہے:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرَاكَ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلَالَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ [32]

"اس کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ فرمایا اے میری قوم! میں ہرگز گمراہ نہیں ہوں لیکن میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔ تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔

اس آیت مبارکہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا ان کی قوم کے سرداروں سے مختصر مکالمہ بیان ہوا ہے لیکن ان مختصر الفاظ میں مکالمہ کا اسلوب اور الفاظ کے شکوہ سے واضح ہوتا ہے کہ ایک طرف قوم کے سردار ہیں جو پوری قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کی ذات پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور انہیں کھلی گمراہی کا شکار سمجھتے ہیں نیز ان کا لہجہ نہایت سخت ہے جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے جن کے الفاظ، دلائل اور لہجہ واضح کر رہا ہے کہ وہ ذمہ دارانہ کردار ادا کرتے ہوئے لہجے اور الفاظ کی نرمی کے ساتھ اپنی قوم کو سمجھانے کی کوشش جاری رکھے ہوئے ہیں: اس مکالمہ سے ہمارے لیے بحثیت مسلمان اور بطور خاص ایک مبلغ کے یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہم کسی کو اسلام کا پیغام یا نیکی کی دعوت دیتے ہوئے ایسا طریقہ اور انداز اپنائیں جیسا اللہ کے انبیاء نے اپنایا۔ اس راستے میں اپنی ذات کو مٹانا پڑتا ہے نیز بغیر دلیل کے بات اور سخت الفاظ اصلاح کے بجائے مزید بگاڑ کا باعث بنتے ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو دعوت توحید پیش کی تو ان کا رویہ کیسا تھا؟ اسے قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۔قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرَاكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ ۔قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔اُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ [33]

"اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، کہا اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، سو کیا تم تقویٰ نہیں رکھتے؟ اس کی قوم کے کافر سردار بولے کہ ہم تو تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور ہم تجھے جھوٹا خیال کرتے

32 Al-Aʿrāf 7:60-62.

33 Al-Aʿrāf 7:65-68.

ہیں۔ کہا اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں بلکہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔ تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارے لیے خیر خواہ امانت دار ہوں"۔

حضرت ہود علیہ السلام نے پیغام الٰہی کو اپنی قوم تک پہنچایا۔ اس مکالمہ میں ان کا انداز بتا رہا ہے کہ اپنے لوگوں کی خیر کا طالب اور ناصح کس قدر جھکے ہوئے لہجے کے ساتھ نرم الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے انہیں اپنے خالق کی یاد دلا رہا ہے لیکن دوسری طرف ان کی قوم ہے کہ انہیں جھوٹا بھی کہہ رہی ہے اور انہیں سفیہ بھی سمجھ رہی ہے اس کے باوجود وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف ان کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا اور معجزے کے طور پر انہیں اونٹنی عطاء فرمائی تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ قرآن مجید نے ان کے اپنی قوم کے ساتھ مکالمے کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًاۘ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُه قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ [34]

"اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، کہا اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہیں تمہارے رب کی طرف سے دلیل پہنچ چکی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے، سو اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے، اور اسے تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا۔ اور یاد کرو جب کہ تمہیں عاد کے بعد جانشین بنایا اور تمہیں زمین میں جگہ دی کہ نرم زمین میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو، سو اللہ کے احسان کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت مچاتے پھرو"۔

مذکورہ آیت مبارکہ میں حضرت صالح علیہ السلام کے اسلوب بیان کا ذکر ہے، جس میں انہوں نے اپنی سرکش قوم کو نہایت احسن انداز میں اور دلیل کے ساتھ دعوت توحید پیش کی۔ قوم صالح نے آپ علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا تو محض ان کی خیر خواہی چاہتے ہوئے آپ نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے اس کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے سوال پر انہیں معجزہ عطاء فرمایا اور پہاڑ سے ایک اونٹنی نمودار ہوئی۔ اس سارے عمل میں آپ علیہ السلام کا صبر اور لوگوں کی خیر خواہی کے لیے کوشش سماجی حوالے سے ہم سب کے لیے مشعل راہ ہے۔

آپ کی قوم نے جو ابا ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معجزاتی اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا:

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِىْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كَافِرُوْنَ ۔فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ [35]

"متکبروں نے کہا جس پر تمہیں یقین ہے ہم اسے نہیں مانتے۔ پھر اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا اے صالح! لے آ ہم پر جس (عذاب) سے تو ہمیں ڈراتا تھا اگر تو رسول ہے"۔

---

34 Al-Aʿrāf, 7:73-74.

35 Al-Aʿrāf 7:76-77.

اس آیت مبارکہ میں قوم صالح کے متکبر سرداروں کا حضرت صالح علیہ السلام سے مکالمہ بیان ہوا ہے جس میں آپ کی قوم نے نافرمانی کی انتہا کرتے ہوئے آپ سے اس عذاب کا مطالبہ کر دیا جس سے آپ انہیں بچانا چاہتے تھے۔ بہر حال حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم سے بار بار مکالمہ اور انہیں دلیل کے ساتھ قائل کرنے کی مسلسل کوشش نیز ان کی گستاخیوں کے جواب میں صبر کرنا ہم سب کے لیے لائق تقلید فعل ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ معجزات فرعون کے سامنے پیش کرتے ہوئے اپنی رسالت کا اعلان کیا اور بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے کہا۔ اس تفصیلی مکالمے کا کچھ حصہ درج ذیل ہے:

وَقَالَ مُوْسٰی یَا فِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ حَقِیْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ وَنَزَعَ یَدَه فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِیْمٌ یُرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ [36]

"اور موسیٰ نے کہا اے فرعون! بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔ میرے لیے یہی مناسب ہے کہ سوائے سچ کے کوئی بات اللہ کی طرف منسوب نہ کروں، میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک بڑی دلیل لایا ہوں پس بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ کہا اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو اسے لے آ اگر تو سچا ہے۔ پھر اس نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ اسی وقت صریح اژدھا ہو گیا۔ اور اپنا ہاتھ نکالا تو اسی وقت دیکھنے والوں کے لیے سفید نظر آنے لگا۔ فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا بے شک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے، پس تم کیا مشورہ دیتے ہو؟"

مذکورہ بالا مکالمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے مخاطب ہوئے اور نہایت مدلل اور شائستہ انداز میں اس سے کلام فرمایا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق دلائل قائم کرنے چاہئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادوگروں کا چرچا تھا اس لیے اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبر کو معجزہ بھی ویسا ہی عطاء فرمایا۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ وہی جادوگر جو آپ کے مقابلے میں آئے تھے آپ کے قدموں میں ڈھیر ہو کر ایمان لے آئے۔

فرعون نے اعتراف حق کی بجائے مزید ظلم کا بازار گرم کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَه لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَیَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ [37]

"اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا، کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوٹ دیتا ہے تاکہ وہ ملک میں فساد کریں اور (موسیٰ) تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے، (فرعون نے) کہا ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے، اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں"۔

36 Al-Aʿrāf 7:104-110.

37 Al-Aʿrāf 7:127.

فرعون اور اس کے حواریوں کی ہٹ دھرمی دراصل ان کی تباہی کا سبب بنی۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کو مہلت دی لیکن جب اس کے پیغمبروں کی شان میں گستاخی ہوئی تو اللہ رب العزت نے انہیں عبرت کا نشاں بنا دیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو راہ راست پر رکھنے کے لیے ان کی خواہشات کو بھی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کیا جنہیں پورا کیا گیا لیکن اس کے باوجود جب وہ حد سے تجاوز کرنے لگے تو ہلاک کر دیے گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يَا مُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ۚ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ[38]

"اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر ہر گز صبر نہ کریں گے سو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار میں سے ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کر دے، کہا کیا تم اس چیز کو لینا چاہتے ہو جو ادنیٰ ہے بدلہ اُس کے جو بہتر ہے، کسی شہر میں اُترو بے شک جو تم مانگتے ہو تمہیں ملے گا، اور ان پر ذلت اور محتاجی ڈال دی گئی اور انہوں نے غضب الٰہی کمایا، یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس لیے کہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے"۔

اللہ کے نبی کا اپنی قوم کی خیر خواہی اور اصلاح کی خاطر ایسا انداز اس مکالمہ میں بیان کیا گیا ہے جس سے ان کی اپنی قوم سے محبت کی انتہا چھلک رہی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک عام انسان اور اللہ کے نبی میں کتنا بڑا فرق ہوتا ہے۔ لوگوں کو دوزخ کے عذاب سے بچانے کے لیے اپنی ساری محنتیں اور کاوشیں صرف کرتا ہے۔ مذکورہ بالا مکالمہ سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ کسی کی اصلاح کے لیے ممکنہ کوشش جاری رکھنی چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مابین مکالمہ کو قرآن مجید میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرَاهِيْمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْيِىْ وَاُمِيْتُ ۖ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ[39]

" کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کی بابت جھگڑا کیا اس لیے کہ اللہ نے اسے سلطنت دی تھی، جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا بے شک اللہ سورج مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ تب وہ کافر مبہوت رہ گیا، اور اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا"۔

38 Al-Baqarah 2:61.

39 Al-Baqarah 2:258.

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ بطور تفاخر اپنے عظیم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مؤثر اور مسکت مکالمہ کے اسلوب کو بیان کر رہا ہے۔ آپ علیہ السلام کے دلائل پر مبنی بیان کہ "بے شک اللہ سورج مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ تب وہ کافر مبہوت رہ گیا" پر بھی اللہ تعالیٰ مفتخر ہے کہ کیسے مؤثر اسلوب میں آپ نے اسے خاموش کروادیا۔ اس آیت مبارکہ کے آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابراہیم نے تو اپنا حق ادا کر دیا اور ہر طرح کے دلائل سے اللہ تعالیٰ کی توحید کو ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ وہ ناانصافی اور ظلم کرتے کرتے اس قدر سخت دل ہو چکا تھا کہ اس پر کسی بات کا اثر نہ ہوا اور ہدایت سے محروم رہا۔

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک مشرک آیا اور اس نے پرانی ہڈی جو کہ آٹے کی طرح ہو چکی تھی اسے لایا اور اس سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں ہو سکتا یہ محال ہے۔ قرآن مجید میں یہ واقعہ اس طرح سے بیان ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ[40]

"کہنے لگا بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ کہہ دو انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب کچھ بنانا جانتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے واسطے سے ایسی دلیل اور دوٹوک بات ارشاد فرمائی جس کا اس کافر کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ یہ ایسی دلیل تھی جس کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے کہ کسی چیز کو پہلی بار بنانا مشکل ہوتا ہے لیکن دوسری بار بنانا آسان ہو جاتا ہے اور یہ بات بھی ہم انسانوں کے لیے ہے اللہ رب العزت اس کا محتاج نہیں۔ بہر حال اس آیت کریمہ کا اسلوب اور انداز ہمیں بتاتا ہے کہ جو آسمانی دلائل کا منکر ہو اسے عقلی دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

خلاصہ کلام

ہر انسان اپنا انفرادی فکری وجود رکھتا ہے جو اپنا منفرد اسلوب استدلال، سوالات کرنے کا طریقہ اور استنباط نتائج کا ملکہ رکھتا ہے۔ کسی بھی صاحب شعور انسان کو اپنا ہمنوا بنانے کیلئے واحد راستہ مکالمہ ہے۔ مکالمہ ہی وہ ذریعہ ہے جس سے مخاطب شعوری طور پر آپ کے پیش کردہ مقدمہ کو قبول یا رد کرتا ہے اور یہ اسی (مکالمہ) سے حاصل شدہ منطقی نتیجہ ہوتا ہے جو کسی انسانی جماعت کو ایک فکر پر مجتمع کر دیتا ہے۔ اس کے ذریعے سے حق کی تلاش اور اس تک پہنچنے کی جستجو منزل آشنا ہوتی ہے۔ دعوت و تبلیغ کی اسلامی تاریخ پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ دعوت کے دیگر ذرائع میں سے کوئی ذریعہ مکالمے کے فوائد کے ہم پلہ نہیں ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور منتخب بندے تھے جنہیں انسانیت کی ہدایت کے لیے اپنے اپنے دور میں مختلف علاقوں میں مختلف اقوام کی طرف مبعوث کیا گیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام ایک خاص مقصد؛ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تشریف لاتے رہے اسی لئے ان کا سامنا ہر قسم کے لوگوں اور حالات سے رہا جن میں، اہل ایمان کی فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ قوموں کی ہٹ دھرمی اور جابر بادشاہوں کے معاندانہ رویے بھی شامل ہیں۔ ہر طرح کے مشکل حالات اور سختیوں کے باوجود انبیاء کرام علیہم السلام نے دعوت کے احسن اسلوب، مکالمہ کے ذریعے ذوق بندگی کے ساتھ ساتھ صحیح سماجی شعور دیا۔ اس لحاظ سے سب سے مئوثر اسلوب گفتگو انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے جس سے ہر دور میں راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کی تربیت براہ راست اللہ تعالیٰ نے

40 Yāsīn 36:78-79.

خود کی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے قرآنی مکالمات سے سماجی اطلاقات جو ہمارے سامنے آتے ہیں ان میں الوالعزمی، صبر و تحمل، اخلاق و کردار کا بلند ہونا، الفاظ اور لب و لہجہ کا نرم وشائستہ ہونا، دلیل سے بات کرنا، جھگڑے اور تشدد سے پرہیز کرنا اسی طرح مخلوق خدا کی فلاح اور خیر خواہی کے جزبات سے بھرپور ہونا ہے۔ ایسے جذبات ہمارے معاشرے کا حصہ بن جائیں تو ہر طرف امن و سلامتی کے در واہو جائیں گے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے قرآنی مکالمات کے سماجی اطلاقات کو سامنے لانا اس لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں بڑھتی ہوئی کشیدگی اور نفرت کو ختم کرنے کے لیے انہی مقدس ہستیوں کے الفاظ، لہجہ اور کردار ہی کارآمد ہو سکتا ہے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خالق کائنات نے خود اپنی مخلوق کی ہدایت و اصلاح اور راہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography / کتابیات

* Muhammad ibn Muhammad ibn ʿAbd al-Razzāq al-Zubaydī, *Tāj al-ʿArūs min Jawāhir al-Qāmūs* (Shām: Bayt al-ʿUlūm al-ʿArabīyah, 2000).
* Abū al-Ḥusayn Aḥmad ibn Fāris ibn Zakariyyā, *Muʿjam Maqāyīs al-Lughah* (Damascus: Dār al-Fikr, 1399 AH).
* ʿAbd al-Raḥmān al-Naḥlāwī, *Uṣūl al-Tarbīyah al-Islāmīyah wa Asālībhā* (Damascus: Dār al-Fikr, 2007).
* Dr. Aḥmad ibn Yūsuf al-Darwīsh, *Mazhabī Intihā Pasandī* (Islamabad: Sharīʿah Academy).
* Muslim ibn Ḥajjāj, Abū al-Ḥusaīn al-Qushayrī, *Ṣaḥīḥ Muslim* (Nishāpur: Dār al-Khilāfah al-ʿIlmīyah, 1330 AH), 1: 2722.
* Muḥammad ibn ʿĪsā al-Tirmidhī, *Al-Sunan al-Tirmidhī*, Kitāb Tafsīr al-Qurʾān (Beirut: Dār al-Gharb al-Islāmī).